ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اُردو افسانے کا ردِ استعماری رجحان: تجزیاتی مطالعہ

(پریم چند، کرشن چندر، بیدی اور منٹو کا خصوصی حوالہ)

Trend Of Anti-imperialism in Urdu Short stories: An Analysis

***Dr Abdul Aziz Malik, **Dr Sumaira Akbar, ***Dr Muhamamd Hafeez**

*Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
**Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
***Visiting Lecturer, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

ABSTRACT

The trend of Anti-Imperialism in Urdu short stories is not explicitly documented. However, Urdu literature, particularly poetry, has a rich history of expressing anti-imperialist sentiments. For instance, during the Indian Freedom struggle from 1857 to 1947, Urdu poets played a significant role in mobilizing public opinion against British Raj. Their works are testaments of the shifting image of the nation that ultimately led to the formation of independent India in 1947.Urdu Short stories, just like poetry, gave wide space to all forms of anti-British resistance going on in India and abroad, and it quickened the pace of the freedom movement. This research explores the dominant nationalistic trends in Urdu short stories during the first half of the 20th century. This article does highlight the broader context of anti-imperialist sentiments in Urdu Afsana. It's plausible that similar themes could be found in other genres as well. For a more accurate understanding, we have explored specific authors(Praim Chand, Krishan chandar ,Rajindar singh Baidi , Saadat Hassan Manto) within Urdu Afsana who were known for their anti-imperialist views.

***Key Words**:*

Colonialism ,Imperialism , Urdu, Short Stories , British Raj, Freedom, World War, Massacre.

دنیا کے امن و سکون اور احترامِ انسانیت کو جس نظام سے زیادہ خطرہ لاحق ہے، وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ اس وقت دنیا میں وقوع پذیر جنگ و جدل، ظلم، جبر اور بربریت کی بڑی وجہ سرمایہ داریت ہے۔ اس نظام نے انسانی زندگی کو مشینی زندگی میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور انسانی جذبات کو ہمہ قسم کی لطافتوں سے محروم کر دیا ہے۔ انسان اور خدا کا وہ تعلق جو اخلاص اور محبت پر استوار ہوا کرتا تھا اب مادی مفادات میں ڈھل چکا ہے۔ انسان کے اخلاق، روایات، قوانین اور اصول و ضوابط پر سرمایہ دارانہ سوچ غالب آ چکی ہے۔ سرمایہ دار اپنے مفادات کے تحت تمام دنیا میں مخصوص سیاسی، سماجی، معاشی اور انتظامی تبدیلیاں لے آئے ہیں جو ان کے سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ کی آئینہ دار ہیں۔ دلچسپ امر ہے کہ جمہوریت کے دعوے داروں نے یہ تمام تبدیلیاں خود وضع کی ہیں۔ سرمایہ داری کے اس اخلاقی تنزل کا ذکر علی عباس جلال پوری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> "سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہوتا، کوئی وطن نہیں ہوتا، کوئی قوم نہیں ہوتی۔ ان کی اپنی ایک الگ قوم ہے جو دنیا بھر کے استحصال کرنے والوں اور منافع خوروں پر مشتمل ہے۔ اپنے مشترکہ مفاد کے تحفظ اور اپنے استحصال کو بحال رکھنے کے لیے وہ ان غیر ملکی سرمایہ داروں سے بھی اتحاد کر لیتے ہیں، جن سے ان کی قوم کی سیاسی دشمنی ہوتی ہے۔ وہ محض عوام کو چکر دینے کے لیے مذہب، اخلاق، انسان دوستی رفاہِ عامہ یا آزادی رائے کی بات کرتے ہیں اور اپنے معاشی استحصال کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے ہر قسم کے گھٹیا حربے استعمال کرنے سے نہیں چوکتے۔(1)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت دینے میں ایڈم سمتھ کی کتاب An Inquiry into the Nature and Causes of the wealth of Nation نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔اس کتاب میں ایڈم سمتھ نے ایسے منفرد اور مختلف نتائج اخذ کیے جن سے صدیوں کی روایات کی اہمیت پس پشت چلی گئی۔اس نے پہلی بار بتایا کہ غلام کسی طور سرمایہ داری کے لئے موزوں نہیں ہیں کیوں کہ ایک غلام پر ہونے والا خرچ اور اس سے آنے والی آمدنی کا Cast Benefit Analysis یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک غلام کے فائدے کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہیں۔اس کے مقابلے میں اگر فرد کو اجرت دی جائے تو کاروبار کے لیے منافع بخش ہے۔اس نے اس نظام کی بنیاد خود غرضی اور ذاتی مفادات پر استوار کی۔یہی وجہ ہے کہ ہر وہ ذہن جو احترامِ انسانیت کا قائل ہے،وہ اس نظام کو مذموم خیال کرتا ہے۔جان رسکن نے اپنی کتاب Unto This Last میں اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ یہ نظام لوگوں کو ضروریات ہی نہیں بلکہ فضولیات بھی بیچ دیتا ہے۔سرمایہ داری میں ایسی چیزیں جن کی نسلِ انسانی کو ضرورت ہی نہیں ان کو نہ صرف بیچا جاتا ہے بلکہ ان کی ضرورت بھی پیدا کی جاتی ہے۔رسکن کا خیال ہے کہ دولت کمانے کے نہ صرف اخلاقی اصول ہونے چاہئیں بلکہ اسے خرچ کرنے کے بھی قوانین ہونے چاہئیں۔اس کے خیال میں دولت کمانا جتنا اہم ہے اتنا ہی مناسب انداز میں خرچ کرنا بھی اہم ہے۔(2)

انگریزوں نے جب ہندوستان کے وسیع و عریض ملک میں قدم مضبوط کیے اور اسے نو آبادیاتی ہتھکنڈوں کے ذریعے غلام بنایا تو اس کے عقب میں بھی سرمایہ دارانہ نظام موجود تھا ۔انگریزوں نے اس ملک پر حکومت قائم کر کے اس کو اپنی صنعت کے لیے خام مال پیدا کرنے والے ملک میں تبدیل کر دیا۔ہندوستان کی نو آبادی میں انگریزوں نے جو آلاتِ پیداوار اور علوم و فنون متعارف کرائے انھوں نے مقامی شہری طبقے پر اثرات مرتب کیے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی شہری طبقہ انگریز کی تقلید کو تکمیل ذات خیال کرنے لگا۔اس کے ساتھ ساتھ نئی یورپی تہذیب،نئے معاشی نظام اور نئے علوم و فنون کے تصادم سے،ہندوستان میں نیا شعور پروان چڑھا جس میں استحصال اور غلامی کے خلاف ردِ عمل بھی شامل تھا۔اس ردِ عمل کے باوجود انگریزوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر ہندوستان میں وقوع پذیر ہونے والی سیاسی،سماجی اور معاشی تبدیلیوں کو نو آبادیاتی سرمایہ داری کے مضبوط شکنجے میں جکڑے رکھا۔بیسویں صدی کے پہلے ربع میں نو آبادیاتی اثرات کے تحت رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سید وقار عظیم یوں محسوس کرتے ہیں۔اُن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> "۔۔۔پہلی جنگِ عظیم نے ہندوستانی زندگی کے خالص معاشرتی ڈھانچے کو بدل کر اسے معاشی بنیادوں پر کھڑا کرنا شروع کر دیا اور شہروں اور کارخانوں کی ابتدا اور رفتہ رفتہ ان کے اضافہ اور کثرت نے سرمایہ اور مزدور کے مسئلے کو سامنے لا کھڑا کر دیا۔پھر کی زندگی کے اس صنعتی انداز نے دیہاتی زندگی کے معاشی نظام میں بھی خاصی الٹ پلٹ کی اور شہر اور دیہات یکساں طور پر اس صنعتی انقلاب کے پیدا کیے ہوئے معاشی جال میں جکڑے گئے۔سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش شروع ہوئی۔"(3)

اس ساری صورتِ حال کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے تخلیق کاروں نے نہ صرف انگریزی نظامِ معیشت کو بُرا بھلا کہا بلکہ مقامی رجعت پسندی،توہم پرستی،فرسودہ تصورات اور غیر انسانی رویوں کے خلاف مزاحمتی رویے کو تخلیق کا حصہ بنایا۔اس عہد میں ادب کے علاوہ سیاسی اور سماجی سطح پر بھی ردِ استعماری رجحان کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔اس حوالے سے استعمار کے خلاف ریشمی رومال تحریک،غدر پارٹی،کیمونسٹ پارٹی،خاکسار تحریک،عدم تعاون کی تحریک ، بھگت سنگھ کی تحریک اور سوراج تحریک خاص طور پر نمایاں ہیں۔اردو افسانہ نگاروں نے بھی سماج میں پھیلے ان مزاحمتی رویوں کو محسوس کیا اور اسے افسانوں کا حصہ بنایا۔ان میں پریم چند،کرشن چندر،سعادت حسن منٹو،قرۃ العین حیدر، احمد ندیم قاسمی،عصمت چغتائی،حسن عسکری،سجاد ظہیر اور حیات اللہ انصاری وغیرہ نمایاں افسانہ نگار ہیں۔(مذکورہ مضمون میں صرف پریم چند،کرشن چندر،بیدی اور منٹو کے افسانوں کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔)انگریز استعمار نے اس مزاحمت کو دبانے میں پوری طاقت کا استعمال کیا لیکن بیسویں صدی کے نصف اوّل تک عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں نے نو آبادکاروں کی گرفت کو کمزور کر دیا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اردو افسانے میں سب سے پہلے جس افسانہ نگار نے ردِ استعماری رویہ اختیار کیا وہ پریم چند تھا۔ اس حوالے سے ان کا افسانہ "جیل" اہمیت کا حامل ہے جس میں جیل، اس مزاحمت کو کچلنے کی علامت کے طور پر موجود ہے جو ہندوستانیوں کے ذہن و قلب میں انگریزوں کے خلاف پیدا ہو چکی تھی۔ نو آبادیاتی سرمایہ داریت کے ہاتھوں استحصال کا شکار مزدوروں کی مزاحمت کو "ڈامل کا قیدی" میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ سرمایہ دار کس انداز سے آڑھت، لین دین، رہن اور بیع کا پھندا پھیلا کر، سرمایہ جمع کرتا ہے، اس کا حال ان کے افسانے "انصاف کی پولیس" میں پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے کے کردار سیٹھ نانک اور ڈاکوؤں میں کوئی فرق نہیں۔ سیٹھ نانک چند کو ڈاکو جس انداز سے جھنجھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

> "آخر یہ روپیا آپ کے پاس آیا کہاں سے؟ آپ نے کسی آسامی کو سو روپے قرض دیے۔ یقیناً اس سے کچھ نہ کچھ سود لیا ہی ہو گا۔ کبھی کبھی تو سود کے دو سو، تین سو، چار سو تک وصول کیے ہوں گے۔ آپ کے روپے نے تو بچے نہیں دیے۔ اسامی کی محنت کے روپے آپ کے ہاتھ لگے۔"(4)

پریم چند کے افسانے "نمک کا داروغہ"، "بڑے بابو"، "عجیب ہولی" اور "بھاڑے کا ٹٹو" میں بھی ردِ استعماری رویہ سامنے آتا ہے۔ "راہِ نجات" میں پریم چند نے کسان اور گڈریے کی کہانی سے قاری پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارا باہمی نفاق ہمیں کسی تیسرے فریق کی غلامی پر مجبور کر دیتا ہے۔ "لاٹری"، "تہذیب کا راز"، "آخری تحفہ" قاتل" اور قاتل کی ماں" بھی اسی قبیل کے افسانے ہیں۔ پریم چند اکثر افسانوں میں ہندوستانی تہذیب کا یورپی تہذیب سے موازنہ کرتے ہیں، وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہندوستان کے بوسیدہ اور جہالت سے بھرے معاشرے میں نئی ایجادات اور جدید تحقیقات سے علم کی روشنی کا ایسا سورج طلوع ہو گا جو یہاں کے باشندوں کی ذہنی اور سماجی آزادی کا باعث بنے گا۔

کرشن چندر نے اس دور میں کارل مارکس، لینن، اپٹن چیخوف اور میکسم گورکی جیسے ادیبوں کا مطالعہ کیا جس سے ان کی تخلیقات اور طرزِ فکر و احساس میں تبدیلی رونما ہوئی ۔ رومانیت کی جس لہر نے اس دور میں زور پکڑا تھا وہ دب گئی اور اُردو افسانے میں سماجی حقیقت پسندی نے زور پکڑا۔ یہ وہی دور ہے جس میں سرمایہ داری نے پوری دنیا کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسے میں روس کے اندر برپا ہونے والے انقلاب نے انسانوں کو یہ امید دلائی کہ سرمایہ دارانہ نظام سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ سوشلزم کے نظریات نے پوری دنیا کے ادیبوں کو متاثر کیا جس میں ہندوستانی ادیب بھی شامل تھے۔ کرشن چندر کے نظریات کے حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس نے تحریر کیا ہے:

> "سماج کی ظالمانہ اونچ نیچ، بے رحمیوں اور ناانصافیوں کا احساس کرشن چندر کو آغاز ہی سے ہونے لگا تھا لیکن شعور دھندلا تھا ۔ مارکسزم اور اشتراکی نظریات کے مطالعے نے صرف اتنا کیا کہ ان ستموں اور میدانوں کی نشان دہی کر دی جن کی طرف اس جوالا مکھی کے لاوے کو بہنا تھا۔ کرشن چندر کے ذہنی سفر کا یہ پہلا اور آخری موڑ تھا۔" (5)

نو آبادیاتی سرمایہ داریت کے باعث ہندوستان کا سماج، بھوک، افلاس، بے روزگاری اور معاشی پس ماندگی میں دھنسا ہوا تھا۔ بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان ایسے پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ جن کی اجازت اخلاقیات نہیں دیتی تھی۔ کرشن چندر نے "صرف ایک آنہ" میں سروش کے کردار کے توسط سے نو آبادیاتی سرمایہ دارانہ جبر کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ بھوک اور بے روزگاری کے ہاتھوں مجبور گریجوایشن پاس سروش کو بھکاری کا پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور افسانہ "لاہور سے بہرام گلہ تک" میں کرشن چندر نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سرمایہ داری میں ترقی کا عمل صرف خاص شہروں تک محدود کیوں محدود رکھا جاتا ہے۔ افسانہ "قبر" میں سرمایہ دارانہ سماج کی اس ناہمواری کو موضوع بنایا گیا ہے جس کے باعث اخلاقیات اور اقدار کا نیا معیار مقرر ہو چکا ہے۔ "خونی ناچ"، "دو فرلانگ سڑک"، "جنت و جہنم" اور "سیما" میں بھی نو آبادیاتی سرمایہ داری سماج کی تلخ حقیقتوں کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

کرشن چندر کا افسانوی مجموعہ "زندگی کے موڑ پر" 1942ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ وہ دور ہے جب دوسری عالمی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ گاندھی کی ستیہ گرہ اور مسلم لیگ نو آبادیاتی نظام کے خلاف مزاحمت تیز کر چکے تھے۔ ہر طرف اداسی، بے دلی اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے اس مجموعے میں اس صورتِ حال کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ "زندگی کے موڑ پر" میں ایک ایسے نوجوان کو پیش کیا گیا ہے جو نو آبادیاتی ریشہ دوانیوں پر غور و فکر کرتا دکھایا گیا ہے لیکن اسے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ "گرجن کی ایک شام" کا کردار سرمایہ دارانہ طرزِ معاشرت سے تنگ آ کر شہر سے فاصلے پر سیکڑوں فٹ بلندی پر گرجن نام کے جزیرے میں فطرت کی ضیافتوں میں پناہ لیتا ہے۔ "ان داتا" کرشن چندر کا معروف افسانہ ہے جس میں انھوں نے معاشرتی طنز کا گہرا نشتر چلایا ہے۔ 1942ء کے کشیدہ حالات کے ساتھ ساتھ قحطِ بنگال نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ مذہبی، سماجی اور ثقافتی اخلاقیات بے سود ہو کر رہ گئی۔ اس حوالے سے "ان داتا" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ہندوستان کی دو تہائی آبادی، دن رات غلہ اور بچے پیدا کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اس لیے یہاں پر غلے اور بچوں کی کمی کبھی نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ جنگ سے بیشتر تو بہت سا غلہ دساور کو جاتا تھا اور بچے قلی بنا کر جنوبی افریقا بھیج دیے جاتے ہیں۔ اب ایک عرصے سے قلیوں کو باہر بھیجنا بند کر دیا گیا ہے اور ہندوستانی صوبوں کو "ہوم رول" دے دیا گیا ہے۔"(6)

کرشن چندر کے افسانے "موبی"، "جھیل سے پہلے جھیل کے بعد" اور "غلاظت" بھی اسی قبیل کے افسانے ہیں۔ کرشن چندر کا ردِ استعماری رویہ ان کی انقلاب پسندی کا عکاس ہے۔ ان کے افسانوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ انگریز استعمار کی چالوں سے خوب واقف ہیں۔

نو آبادیاتی عہد میں راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں بھی ردِ استعماری رویہ سامنے آتا ہے۔ انھوں نے استعماری دور میں جو افسانے تحریر کیے ان میں ردِ استعماری رجحان دھیمے پن کی وجہ سے واضح ہو کر پیش منظر میں نہیں آتا بلکہ پس منظر میں رہ کر سماجی ناہمواریوں اور معاشی ناانصافیوں کے خلاف احتجاج کی صورت دکھائی دیتا ہے۔ روسی افسانہ نگاروں کے تراجم کے مطالعے، ترقی پسند تحریک کے نتیجے میں مارکسزم کے اثرات کی جھلک بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ کنہیالال کپور نے تو انھیں ہندوستان کا گورکی قرار دیا ہے:

> "بیدی اس وقت بھی ترقی پسند تھا جب لوگ ترقی پسندی کا مفہوم بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ خود نچلے طبقے میں پیدا ہوا اور اسی طبقے سے محض ہمدردی نہیں بلکہ عشق تھا۔ اس نے ہمیشہ اس طبقے نے کی نمایندگی کی ہے اور اس کامیابی سے کی ہے کہ آنے والے دور میں اگر بیدی کو ہندوستان کا گورکی سمجھ لیا جائے تو بہت کم لوگوں کو اس کا تعجب ہو گا۔"(7)

ردِ استعماری دور میں اشاعت پذیر ہونے والے ان کے دو افسانوی مجموعوں "دانہ و دام" اور "گرہن" میں نو آبادیاتی سرمایہ داری کے خلاف ردِ عمل تلخ انداز میں ملتا ہے۔ اس دور میں ان کا معروف افسانہ "کوارنٹین" شایع ہوا جس میں طاعون کی وبا کو موضوع بنا کر علامتی انداز میں استعمار کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ اسے حوالے سے ڈاکٹر قمر رئیس کا مضمون "کوارنٹین کی علامتی معنویت" اہمیت کا حامل ہے جس میں پلیگ کو غیر ملکی غلامی سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ پلیگ پھیلانے والے دو سفید چوہے انگریز نسل کی علامت ہیں۔ اس طرح کوارنٹین بھاگو کے لیے جبر اور تسلط کی علامت بن جاتا ہے۔ ان کے افسانے "گرم کوٹ" کا کلرک سردیوں میں گرم کوٹ کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ بیوی بچوں کی ضروریات اسے گرم کوٹ کی خریداری سے باز رکھتی ہیں۔ اس افسانے کی اہم ترین بات اس کلرک کا ذہنی شعور ہے جس سے استعماری رویوں کی غمازی ہوتی ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "میں نے سنا ہے گزشتہ چند سال میں کئی ٹن سونا ہمارے ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ شاید اسی لیے لوگ جسمانی زیبایش کا خیال بھی بہت زیادہ رکھتے ہیں، ورنہ وہ جو لوگ سچ مچ امیر ہیں ایسی شان و شوکت اور ظاہر تکلفات کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

لوگ سچ مچ مفلس ہو گئے ہیں۔۔۔اس مہینے نہ معلوم کتنا سونا چاندی ہمارے سے باہر چلا گیا ہے۔"(8)

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار افرادی قوت کو اپنے سرمایے میں اضافے کے لیے جس بے دردی اور انسانیت سوز طریقے سے استعمال کرتا ہے اس کو بیدی نے "حیاتین ب" میں فنکارانہ انداز میں بے نقاب کیا ہے۔اس افسانے میں سرمایہ دار اور مزدور طبقے کے مابین کشمکش کو بیان کرتے ہوئے، بیدی نے سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی رویوں کے خلاف نفرت اور مزدور طبقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔بیسویں صدی کے دوسرے ربع میں بغاوت، احتجاج، سول نافرمانی اور ہڑتالوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس نے انگریزوں کی استعماریت کو ہلا کر رکھ دیا۔بیدی کے افسانے "آلو" میں مزاحمت کی مذکورہ شکل کو خاکروبوں اور گاڑی بانوں کی ہڑتال کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔انگریزوں نے جس طرح کا معاشی نظام ہندوستان میں رائج کر رکھا تھا اس سے نچلے طبقوں کے افراد کو سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے اپنی قیمتی اشیا کو رہن رکھنا پڑتا تھا۔بیدی نے "پان شاپ" میں اسی طرح کے سرمایہ دارانہ طرز معاشرت کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔نو آبادیاتی سرمایہ داری نے نچلے طبقے کے افراد کی زندگیوں کو جس طرح پامال کیا اور اس کے نتیجے میں تنگ دستی، مایوسی اور مفلسی نے معاشرے میں جڑیں مضبوط کیں انھیں ان کے افسانوں "دس منٹ بارش میں"، "لچھمن"، "رحمان کے جوتے"، "بکی" "ہڈیاں اور پھول"، "زین العابدین" اور "لاروے" میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

سعادت حسن منٹو اردو افسانے کا اہم نام ہے۔انھوں نے سماج کے ان موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن پر بات کرنے سے اس دور کے دیگر قلم کار گھبراتے تھے۔جس دور میں انھوں نے افسانہ نگاری کا آغاز کیا اس دور میں ہندوستان سیاسی غلامی، معاشرتی پس ماندگی اور معاشی بد حالی کا شکار تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کئی افسانوں میں ردِ استعماری رویہ سامنے آتا ہے اور منٹو اس نظام کی آلہ کار قوتوں، اداروں اور کارکنوں سے بیزاری کا اعلان کرتا نظر آتا ہے۔منٹو نے اپنے سیاسی موضوعات پر تحریر کیے گئے افسانوں میں نو آبادیاتی نظام اور سرمایہ داریت کے گھناؤنے چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔سرمایہ داریت میں پیدا کار طبقہ بالائی طبقہ بن جاتا ہے۔وہ جن لوگوں کو اپنے مفادات کی غرض سے استعمال کرتا ہے، وہ متوسط طبقہ ہے۔متوسط اور نچلا طبقہ ان کے صارفین میں شامل ہوتا ہے۔منٹو کے ابتدائی دور کے افسانوں میں یہ رویہ زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری ان کے انقلابی اور باغیانہ رویوں پر رائے دیتے ہوتے تحریر کرتے ہیں:

> " منٹو کتنا باغی اور انقلابی تھا، اس کے سینے میں برطانوی سامراج کے خلاف کیسا لاوا ابل رہا تھا، سرمایہ دارانہ نظام اور طبقاتی استحصال سے اسے کتنی نفرت تھی، غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے اس کے ذہن میں کیسے کیسے منصوبے تھے، معاشی آزادی کا کیسا عاشق اور انسانیت کا وہ کتنا بڑا دوست تھا، اس کا اندازہ فی الواقع منٹو کے ابتدائی افسانوں ہی سے ہوتا ہے۔"
> (9)

منٹو کا افسانوی مجموعہ "آتش پارے" جو 1936 میں شائع ہوا سیاسی اور سماجی خدشات کی فضا کا اثر لیے ہوئے ہے۔اس مجموعے کے پس پردہ باری علیگ کی صحبت، اپنے کمرے کو دارالاحمر قرار دینا اور اس میں بھگت سنگھ کا مجسمہ سجانا، وکٹر ہیوگو اور آسکر وائلڈ کے فن پاروں کے تراجم میں غیر معمولی دلچسپی اور ہندوستانی قوم پرستی جیسے لوازمات کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔منٹو کی اوائل عمری میں جلیاں والا باغ کے واقعے نے پوری قوم کو متاثر کیا۔اس حادثے کو منٹو نے اپنے افسانے "تماشا" میں خالد کے کردار کے ذریعے دکھانے کی کوشش کی ہے۔معصوم بچے کی نظر سے ماحول کی تلخی اور جبر و بغاوت کی صورتِ حال کو غیر جانب داری سے پیش کیا ہے۔خالد کے جذبات محض خالد کے نہیں پوری ہندوستانی قوم کے جذبات بن کر سامنے آتے ہیں۔ایک اور افسانے "دیوانہ شاعر" میں اس نے اس واقعے کو مزید تفصیل سے پیش کیا ہے۔اقتباس ملاحظہ کریں:

> "مجھے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس باغ میں عوام کے اس جلسے پر گولیاں برسائی گئی تھیں۔جس کا نتیجہ دو ہزار اموات تھیں۔ میرے دل میں لوگوں کا بہت احترام تھا جنھوں نے اپنی مادرِ وطن اور جذبہ آزادی کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دی تھیں
> (10)"۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

نو آبادیاتی پالیسیوں کے تحت ہندوستان میں جو معاشی بدحالی پیدا ہوئی اور اس سے متوسط طبقے کے لوگ بُری طرح متاثر ہوئے، اس صورتِ حال کو انھوں نے "خونی تھوک" میں خوب صورت انداز میں پیش کیا۔ خونی تھوک اس بے چارگی اور بے بسی کی زندگی کا احتجاج ہے جو ہر نچلے طبقے سے تعلق رکھنے ولا ہندوستانی گزار رہا تھا۔ ان کے افسانے "انقلاب پسند" کا کردار سلیم استحصال کے نتیجے میں پاگل ہو کر سڑکوں پر ان کے خلاف چیختا، چلاتا، نعرے لگاتا، آخر کار پاگل خانے پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح "طاقت کا امتحان"، "جی آیا صاحب" اور "چوری" میں بھی استعمار کے خلاف ردِ عمل کا رویہ موجود ہے۔ آتش پارے کے مجموعے میں منٹو نے جس سیاسی اور سماجی خلفشار کو پیش کیا ہے، بعد میں یہ معاشرتی حقیقت نگاری میں بدل گیا۔ ان کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے برج پریمی لکھتے ہیں:

> "منٹو کی یہ کہانیاں عام طور پر اس زمانے کے سیاسی واقعات سے متاثر ہو کر لکھی گئیں۔ ان میں جلیاں والا باغ، مارشل لا، مزدوروں اور غریبوں پر ہوتے مظالم اور جنگِ آزادی وغیرہ کے واقعات کے بارے میں مصنف کا ردِ عمل کھل کر سامنے آتا ہے۔ ان افسانوں کے مطالعے سے ایک وطن دوست، نچلے طبقے سے ہمدردی رکھنے ولے اشتراکی افسانہ نگار کے احساسات کا پتا چلتا ہے۔"(11)

نو آبادیاتی نظام کی غلامی کے خلاف ردِ عمل ان کے دوسرے افسانوی مجموعے "نیا قانون" میں بھرپور توانائی اور جاندار تخلیقی اظہار لیے ہوئے ہے۔ ان کا افسانہ "نیا قانون" 1938ء میں شائع ہوا جو 1935ء کے ایکٹ کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ افسانے میں استاد منگو کا کردار ہندوستان کے کمزور اور بے بس طبقے کے استعماری نظام کے خلاف مزاحمت کا استعارہ ہے۔ منگو استحصال اور غلامی سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب قاری کے ذہن میں آتا ہے اور وہ ہے انگریزوں کا نسلی تفاخر اور تعصب جو ان کے ذہنوں میں ہندوستانیوں کے لیے موجود ہے۔ اس ضمن میں افسانے کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے۔"(12)

اس رویے نے اس میں مایوسی کی فضا پیدا کر دی۔ اب اس کے خیال میں استعماری استحصال سے بچنے کے لیے ایک ہی امید وہ نیا قانون ہے جس کی گونج اس کے کانوں میں سواریوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے، سنائی دی تھی۔ اس کی یہ امید بھی اس وقت خاک میں مل جاتی ہے جب وہ گرفتار ہو کر تھانے پہنچتا ہے۔ اور اس پر منکشف کیا جاتا ہے کہ "نیا قانون، نیا قانون، کیا بک رہے ہو۔ قانون وہی پرانا ہے۔" استعماری نظام نے ہندوستان میں جو طبقاتی تضاد پیدا کر دیا تھا اس کو منٹو نے اپنے ایک اور افسانے "نعرہ" میں پیش کیا ہے۔ کیشو لال غربت کے باعث اپنے سیٹھ کا کرایہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر اس کے لگائے گئے نعرے میں انتقام اور احتجاج کی ملی جلی کیفیت موجود ہے۔ سماجی اور معاشی تضاد کے پس منظر میں تخلیق کیے گئے افسانوں میں، منٹو نے عورت کی معاشرتی زندگی میں افلاس، سماج کی سرد مہری، معاشی محرومی اور جذباتی نا آسودگی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں محض جنسی تلذذ موجود نہیں بلکہ افسانہ پڑھنے کے بعد استعمار کے استحصالی نظام کے خلاف نفرت کا احساس قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے۔

مذکورہ بالا افسانہ نگاروں کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نو آبادیاتی عہد میں استعماری نظام کے خلاف اردو افسانے میں بھرپور ردِ استعماری رجحان موجود تھا۔ معروف اور پختہ کار افسانہ نگاروں کے ہاں نو آبادیاتی نظام کی چیرہ دستیوں اور اوچھے ہتھکنڈوں کے استعمال کا پختہ شعور موجود تھا جس کا اظہار انھوں نے تخلیقی سطح پر اپنے افسانوں میں کیا ہے جس کی مثالوں کی مدد سے وضاحت کی گئی ہے۔ ان افسانوں نے عوامی شعور بیدار کرنے میں بھی مدد دی۔ اس کے نتیجے میں انگریز سے آزادی اور انسانی حقوق کے تحفظ، کے مطالبات میں تیزی وقوع پذیر ہوئی۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

حوالہ جات

1۔ علی عباس جلال پوری، تاریخ کا نیا موڑ، لاہور: تخلیقات، 2009، ص:154

2۔https://www.aikrozan.com/capitalism-history-2/

3۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1990ء، ص:190

4۔ پریم چند، پریم چند کے سو افسانے، تاریخی ترتیب سے، مرتب: آصف چودھری، محمد طارق چودھری، لاہور: چودھری اکیڈمی۔2007، ص:896

5۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، کرشن چندر ایک جائزہ، مشمولہ: کرشن کا تنقیدی مطالعہ، مرتب: مشرف احمد، کراچی: نفیس اکیڈمی، 1981ء، ص:153

6۔ کرشن چندر۔ ان داتا، لاہور: نیا ادارہ، 1986ء، ص:11

7۔ کنہیالال کپور، بیدی کے افسانے، تحقیقِ متن و تدوین: صلاح الدین محمود، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2007ء، ص:104

8۔ راجندر سنگھ بیدی، مجموعہ راجندر سنگھ بیدی، تحقیقِ متن و تدوین: صلاح الدین محمود، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2007ء، ص:104

9۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، 2000ء، ص:132

10۔ سعادت حسن منٹو، منٹو راما، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2001ء، ص:679

11۔ برج پریمی، ڈاکٹر، سعادت حسن منٹو: حیات اور کارنامے، سری نگر: مرزا پبلی کیشنز، 1986ء، ص:183

12۔ سعادت حسن منٹو، منٹو راما، ص:708